

اور پا جرے کو چڑیاں چکتی ہیں۔

اگر ہم پنجال میں سے اپنی گرو نیں نکال لیں، اس سے علیحدہ ہو جائیں تو بغیر شست پر قم بر اجان ہو وہ سجن بھر بیان کھاتی ہوئی چکرانے لگے گی اور یوں تم اپنے آپ کو سنبھال نہ پاؤ گے اور کنوں میں میں جا گردو گے، ہم قم سے سنبات حاصل کر لیں گے مگر ہم ایسا کرنا نہیں چاہتے کہ قم تر ختم ہو جاؤ گے لیکن اس طرح ٹندیں ٹوٹ کر کنوں میں جا گریں گی اور پانی کا حصار خوب ہو جائے گا، کھیت سوکھ جائیں گے اور ہم یہ نہیں چاہتے کہ ہم تو سرسبز ساعتنی کو ابہیت رینے کی جستجو میں بحثت ہوئے ہیں، تھاری چمک کے باوجود، آہنی کتے کی غیر موجودگی کے باوجود، تھاری موجودگی کے باوجود ہم اس پنجال سے علیحدہ ہونے کا تصریر بھی نہیں کر سکتے۔ لیکن ایک حد تک وہ زمانے یاد کرو جب قم ادھر کھیتوں کی رکھوالی کرتے تھے تو ہمارے نگئے دن کتنے بے نکر تھے۔ وہ کوئی کمی دھوپ میں سیاہ پڑتے اور پانے کے دونوں میں کپکپاتے مگر اب وہ تمام وقت صرف کپکپاتے ہے میں، کہ ان کا ماں سکیا جانے کے کتب اس پر تھاری پتلی چمک سے لاس پڑ جائے ہے۔

تم ہمیشہ ہمیں لعن طعن کرتے رہتے ہو۔ بھول جاتے ہو کہ ہم ایک اکائی ہیں۔ تھارے بخخت و نتوں کے نیچے میں سے لامت کی تحرک بی پکو کے تیزابی پیشاب کی طرح نکلتی ہے اور ہماری نیچی پیٹھوں کو جلا کر رکھ دیتی ہے اور یوں ہم ول جمعی سے، لاڈ پایر سے اس کنوں میں کو گیڑھ نہیں سکتے، اسے چلا نہیں سکتے، پانی کہ ہماں چلا جاتا ہے۔ کنوں میں تو بہت پانی ہے مگر ہماں خفزوہ بخستے آنے والی چمک کے ڈر سے کپاتے رہتے ہیں، آہستہ ٹلتے ہیں۔ وہ آخری کھیت جو ہیں۔ ہماری جڑ کے قریب وہ ابھی سے خشک ہونے لگے ہیں۔ وہاں تک پانی نہیں پہنچ رہا۔ وہ سر کنوں والے ہم سے آگے نکل رہے ہیں۔ ان کے کھیت زیادہ سرسبز دشاداب ہیں

اور تمیں پتہ ہے کہ اگر ہمارے کمیت خشک ہو گئے تو زین کی پایسی زبانیں دوسرے
کنودل کی طرف چھک جائیں گی ؟

اگرچہ وہ ایک اکائی ہیں مگراب دو اکائیوں میں منقسم ہیں، ایک اکائی مشقتوں
دوسری چھک دالی۔

کانجیں پر گدھ بیٹھ رہے ہیں۔

ہمالے اور پرچاڑیں ہو رہی ہے۔

یارک شاعر کی گائے

”جمل“ میں نے اُس کے کیپاتے ہاتھ تھامتے ہوئے زمی سے کہا ”پلیز ڈارنگ،
اپنے آپ پر قابو رکھو۔ کیا نئی نویلی دلہنیں گین اپنی شادی کے پہلے دن کو
خوش آمدید کہتی ہیں؟“

”وہ میرے ڈیڑھ کو داپس کر دیں گے نا۔۔۔ فوبیڈی ڈ جملی متضرر کا پ
دھی نتھی اور اُس کے آنسو تھمنے میں نا اور ہے نتھے۔
”ہاں میں وعدہ کرتا ہوں جملی۔ وہ اُسے داپس کر دیں گے پلیز اپنے آنسو پر نچو
ڈاٹو۔۔۔ میں نے جیب سے سفید رومال نکال کر اُسے تھادیا اور رکھڑکی سے باہر
نلن کی پڑھوم مرٹرک ریجنٹ سٹریٹ کی جانب دیکھنے لگا۔

کرس میں چند روز باقی رہ گئے تھے۔ سٹورز کے شوکیں ادم خود مگر مجھوں کی
طرح اپنے جبرے کھولے اُن گاہوں کے انتظار میں تھے جنہیں اپنی محدود
آمدی کے باوجود داپنے عزیزوں اور دوستوں کے لیے کرس کے تحفہ ہوت غصیلی تھے:

نٹ پاٹھ پر چلتے لوگ اور ان کے چہرے اُن بڑے بڑے زنجیں پارسلوں سے چھپ
گئے تھے جو وہ ان سلوزوں سے خرید کر لائے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے فٹ پاٹھ پر
انسان نہیں بڑے بڑے زنجیں پارسل حرکت کر رہے ہوں۔ ایک سلوڈ کے صد
دروانے کے باہر فادر کر سمس ایک اونچے سلول پر بیٹھا تھا تھے میتھے بچوں کو اپنے
پاس بُلا رہا تھا تاکہ وہ اُس کے کان میں اُن بے شمار تھغنوں کی فراست سنادیں جو
وہ کرسس کی شب اپنے بسروں کے ساتھ لکھی لمبی جراں بیں دیکھنا چاہتے تھے۔
فادر کر سمس ایک خزانہ بڑھے کی طرح بچوں کی فرمائشیں سنتا اور پھر چکھے سے اُن
کی فرمائی فراست اُن کے والدین کو تھما دیتا..... بچے جو قدرت کا مقصود ترین تھند
ہیں۔ انسانی نسل کی بقایہ کی گول مول اور حصوم کری..... اور پھر اسے ڈیوڈ کا خیال آ
گیا۔ وہ اور جملی آج صحیح ہی رجسٹرار کے دفتر میں جا کر شادی کے بندھوں میں بندھے
تھے..... اور اب صرف پانچ گھنٹے بعد وہ سو شل دلیل فیری کی ایجنسی کے دفتر میں
بیٹھے اپنے بیٹے ڈیوڈ کی راہ دیکھ رہے تھے۔ وہ ابھی تک شادی کے بیاس ہی
میں بلبوس نہیں۔ فرید ڈارک سوت میں..... ڈارک اور جملی سفید میں
کے بیاس میں..... سفید..... جملی کی مخصوصیت کی ماند۔ اور ڈیوڈ
اُن کا اُن دیکھا بیٹا۔

”کتنا عرصہ ہوا ہے اس بات کو؟“ فرید نے فہم پر زور ڈالا۔
”تین برس شاید۔“

فرید ندن کے ایک فواحی قصیے میں ایک نارمل پاکتائی کی زندگی گزار رہا تھا۔
وہ منہ اندر سے اٹھ کر ندن جانے والی ڈبل ڈیکر بس کے گرم بینے میں جا بیٹھا
جو اُسے ایک گھنٹے کے بعد ریڈ ڈیوبنے والی ایک فیکٹری کے سامنے آتا رہتی۔
پھر اس بیلی لاتن کی تیزی سے سرکتی ہوئی بیٹھ گزرتے وقت کی طرح اس کی بچوں
کے سامنے حرکت کرنے لگتی۔ ہر ایک منٹ کے دفعے کے بعد اس کے سامنے بیٹھو

کا ایک دھانچہ آ جاتا جس کے سوراخوں میں وہ مختلف قسم کے چیز اور بین پھر تی سے کس دیتا..... ایک مکانی انسان کی طرح سارا دن وہ سر جھکاتے کام میں صرف رہتا۔ شام کو گھر والپیں اگر چھکے تو اوار کی پکائی ہوتی دال کو بخمارتا اور اسے ڈبل ہوئی کے ساتھ نگل کر سو رہتا۔ اس باتفاقہ روٹین کو صرف ہفتے اور اوار کو جھکے لگتے ہفتے کا دن شاپنگ کے لیے منصوص رہتا۔ وہ چیزوں کی فہرست جیب میں مٹڑتے پوری دو پہرشاپنگ سنٹر میں حرکت کرتا رہتا۔ دو درجہ انڈے ہر طروں کے بندیں گوشت۔ ہندو لالے کی دکان سے چیزی ہوئی سرخ مرچیں، اور ک، تھوم دعیرہ۔ اس دوران وہ پوسٹ آفیس جا کر ایک ایروگرام پر خیریت کے چند لفظ گمیٹ کر اپنی بڑھی ماں کو بیعتا۔ پانچ بجے سے چونچے تک وہ لانڈریٹ کی دکان میں جا کر ہفتہ بھر کے گذے کپڑے میں مٹڑتا اور اس کے ساتھ رکھی کری، مریٹھ کر سرخ بتنی کے جلنے کا انتظار کرتا رہتا۔ چھ سے سات بجے تک کپڑے بدل کر فوائی کافی ہاؤس میں آبیٹھتا۔ اگر ان دلوں کسی لڑکی سے جان پچان ہوتی تو وہ اُسے لے کر پھولشtron پر بر اجان ہو کر فلم تو خیر کم ہی دیکھتا۔ عام حالات میں وہ دہنی بجھے تک اُس کافی ہاؤس میں بیٹھا رہتا اور پھر چھپے سے اپنے کمرے میں والپیں چلا جاتا۔ اوار کا روزہ نہیں بناتے میں صرف ہوتا اور وہ گوشت بھینتے کے دوران "بیوی زادت دی ولڈ" میں چھپے سیکشن لز پر بھی ایک نظر ڈال لیتا۔ ایک نارمل پاکستانی کی نارمل زندگی۔ اس روٹین میں کبھی کبھار بھولی مائل ہو جاتی۔

وہ پہلی مرتبہ کہاں ملے تھے؟ ۔۔۔ پتہ نہیں کس کی پارٹی تھی ۔۔۔ فرید ڈر افٹ بیٹھ کا گاہ اتحاب میں تھامے کرے میں قص کرتے ہوئے جڑوں کو بے حد بایوسی سے دیکھ رہا تھا۔ ۔۔۔ چھکے دھکنٹوں سے وہ صوفی میں مصنا بیٹھ پڑا تھا۔ ۔۔۔ سب لڑکیاں اپنے اپنے دوست لڑکوں کے ہمراہ تھیں اور یوں لگتا تھا جیسے فرید پوری شب یومنی اکیلا بیٹھا رہے گا۔ ۔۔۔ اور پھر جو لوگ کرے

میں داخل ہوتی۔ فرید نے فراؤ بیٹھ کا گم تپانی پر رکھ دیا۔ جو جی اس کے سامنے
دلکش صوفی پر بیٹھ گئی اور تسلیمیں میں اٹھے چھوٹے چھوٹے سینڈ و چربی بے دلی
سے کھانے لگی۔ اکثر پاکستانیوں کی طرح فرید کو تمام انگریز لفکیاں بجد
حین گتیری، گوری چٹی اور صحت مند۔ گرو جولی کسی صورت میں قابل قبل
حد تک بھی خوش فکل دھتی۔ اُس کے چہرے پر گائے کے گوشت ایسی
بحدی سرخی تھی اور جگہ جگہ چھوٹے ٹھوچن ایسے چڑاخ پڑے ہوتے تھے۔ بال گدے
نہ بڑے رنگ کے چھروں ایسے بے نتیجی سے ہر مشوبحمرے ہوتے، جسم بے حد
غیر مقتناسب۔ کوئی بھاری گھر اُس سے اُپر کی سطح تقریباً ہوا اور انشیف فراز
سے عاری۔ اس کا باس بھی بجد عالمیاد تھا۔ یوں جسے کسی ملٹ کے قبیلے
میں اپنے بھرے ہل۔ چھرے کے تاثرات سے یوں گلتا تھا جیسے وہ
قد کے انبال ہر۔ فرید نے ماہی کے عالم میں پورا گم ایک ہی سانس
میں اپنے اندر انڈلیل بیا اور سگریٹ ملا کر پارٹی سے جانے کے بارے میں ہو چنے
لگا۔ جس لڑکی کی جانب دیکھنے سے جی متلاستے بھلا اس کے ساتھ قص کیسے
کیا جاسکتا تھا۔ دہ میز بان کا شکریہ ادا کر کے باہر آگیا اور ہائی سٹریٹ کے
سڑر زکے شوکیسون میں جانلختا آن قیمتی سو سیٹروں اور تیسروں کو دیکھتا رہا جو اُس
کی محدود امداد کی زد سے باہر نہیں۔ کرسس کو صرف دس روز باقی تھے۔
اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اس مرتبہ خود ہی ایک اچھا سامنہ بیٹھ فرید کر اپنے آپ کو
کرسس کے تحفے کے طور پر پیش کرے۔ آخری بس ساٹھ ہے گیا رہ نجی چنانچہ
وہ تیزی سے چلتا ہوا بس شاپ پر جہنگیا۔ وہاں جویں کھڑی تھی۔ وہ
ایک طرف ہٹ کر سگریٹ ملنے لگا۔ بس میں سوار ہوا تو اسے ساتھ والی نشست پر
بلیٹھی جولی کو دیکھ کر انتہائی اکٹا ہٹ کا احساس ہوا۔ یہ اُس کی پرستی تھی کہ
آن شب اُسے گائے کی صورت کی یہ لڑکی ہر جگہ دکھائی دے رہی تھی۔
”میرا خیال ہے میں نے آپ کو ماٹیکل دسن کی پارٹی پر دیکھا تھا۔“

جُولی شکل سے بے حد بیرون تھا لگ رہی تھی، بے وقوف گھائے۔

”ہیلو“ فرید نے اپنے آپ پر جو بڑتے ہوئے خوش ماحلاٰ تھی کامنٹھا ہو کیا اور پھر خاموشی سے مگریٹ پینی لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد بس رُنگی اور بُرچھی آنھے کھڑتی ہوئی۔

”آپ سے مل کر مجھے بہت خوش ہوئی۔“ اس نے فرید کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”پھر جیں گے۔“ سراہم رُنگی فترتے جو انگریز دن رات بڑھاتے رہتے ہیں۔

”ہاں ضرور“ فرید نے بے وحیانی سے کہا اور درکوث کی جیبلیں میں ہاتھ ڈال کر نشستی میں دیکھ گیا۔ سرودی تھی۔

اگلے ہفتے وہ اپنے مخصوص کرنے میں بیٹھا کافی پی رہا تھا کہ کافی بالکل دو اونزے میں سے جو ہلی اندر داخل ہوئی

”ادہ۔“ بادر وہ بڑھایا اور شیشے کی بڑی کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

”ادہ۔“ اہمیو جو ہلی اس کے سرو پر کھڑی تھی۔

”ہمیو۔“ اس نے باطلِ نغمہ استہ جواب دیا اور سر جھکا کر کافی پینی لگا۔

”آپ سے دوبارہ ملاقات۔“ بہت خوشی ہوئی۔“ وہ

بھجتی ہوئی کہہ رہی تھی۔

”اگر آپ پسند کریں تو یہاں بیٹھ جائیں۔“ فرید نے اس درخواست کے لمحے میں کتنا ہٹ اور تنا پسندیدگی خاصی واضح کر دی۔

”شکریہ۔“ جو ہلی نے اپنا بیگ میز پر رکھا اور پلانٹر و فرید کے پہلو میں بیٹھ گئی۔

آج کی شب تو غارت گئی۔ فرید نے منزہ بنایا کہ سوچا۔

جو ہلی بے حد آہستہ آہستہ باتیں کرنے لگی۔ اس کا باپ رہا۔ حالانکہ

والا ایک فیکری میں مزدود تھا اور وہ سکول سے جی ای سی کا متحان پاس کر کے اب ہی نہیں
کالج میں ٹانسپ اور شارٹ ہینڈ سیکھ رہی تھی۔ گفتگو کے اس بہاؤ میں فرید
”جی“ اور ”واقعی“ اور ”اچھا تو ایسا ہے“ جیسے لایعنی پتھر ڈیوتارہ اور اپنی
قسمت کو کوستار بنا سے اگھے ہفتے پھر ایسا ہی ہوا مگر جو لوگ اس مرتبہ سیدھی
اُس کی میرتک آئی اور اجازت کے بیزنس اس کے برابر میں بیٹھ گئی۔ اب کی بارہ
شاید فرید کی قوت برداشت بہتر ہو چکی تھی اس نے ”جی“ اور ”ادھ واقعی“ کے علاوہ
ایک ادھ فقرہ موسم کے باسے میں بھی کہہ دیا۔

”فریدی دیکھئے پرسنل ہمارے ہاں کرمس شب کی پارٹی ہے آپ آئیں گے؟“
جو لی نے انتہائی عاجزی سے کہا۔

فرید کے جی میں آیا کھافٹ گھر فیسے ”جو لی میں اپنے نئے سال کا آغاز تم جیسی
صورتوں کی رفاقت میں نہیں کرتا“ لیکن جو لی کے چہرے پر پچگاہِ شوق کے تاثرات
ویکھ کر کچھ نہ بولا۔

”آپ آئیے ضرور“ — جو لی نے اس کی خاموشی کو رضامندی سمجھتے ہوئے
پھر کہا۔

”برٹش گھم اور پاچھڑے چند پرانے دوست اُر ہے ہیں۔ کرمس شب لندن کے البرٹ
ہال میں گذانے کا ارادہ ہے میں معذرت خواہ ہوں“ فرید کے پاٹے لجھ سے ظاہر
تھا کہ وہ گریز کر رہا ہے اور پھر کرمس شب کے لیے اس نے ڈل درخت سٹر کے کاؤنٹر
پر سوئیڈی سینچے والی رٹکی کو مدعا کر رکھا تھا۔ ایک بچے پیاہ جیوانی جسم کی مالک
رٹکی جسے صرف ان کا ڈنٹر ز پر رکھا جانا جہاں کی آمن میں کی ہوتی اور اس کے
ہاں کھڑے ہوتے ہیں میں مونگنا اضافہ ہو جاتا۔

”کو شش کیجئے گا پیزیر“ — جو لی نے بے حد لجاجت سے درخواست کی
اور پھر کافی بار سے باہر چل گئی۔

فرید کرمس شب آحمد بجہ نہ ک دوں ورنہ سوروالی لڑکی کا انتظار کرتا رہا۔ مگر شاید
یہ جوں کی دعاؤں کا اثر تھا وہ نہ آئی۔

”کرمس شب سال میں صرف ایک مرتبہ آتی ہے“ فرید نے بورہ کر
فیصلہ کیا ”مگر جا کر سو جانے سے بہتر ہے کہ جوں کے ہاں چلا جائے“ اور یوں جوں
کرمس کی شب کو فرید کی ذائقہ بنی۔

پھر یونہی دن گذستے رہے۔ فرید کئی مرتبہ نہ چاہتے ہے نہیں اپنے آپ کو
سہفتے کے روڑ کافی بار کے کرنے میں بیٹھا پاتا۔ جوں آتی اور حسبِ محفل کافی کی ایک
پایلی پروپریا جہاں کی باقی کر کے چل جاتی۔ فرید اس دوران دوسری لڑکیوں کے
ساتھ بھی باہر جاتا مگر جوں کی رفاقت یوں اُسے اچھی لگتی کہ اُس سے اُس کے سامنے
دوسری لڑکیوں کے مقابلے میں بتا نہیں پڑتا تھا۔ سیدھا سیدھا اصلی اور قدرتی
فرید۔ کئی مرتبہ اُسے شب گزارنے کے لیے اور کوئی لڑکی نہ ملتی تو وہ
جوں کو بلالیتا اور وہ دونوں کسی سینما ہاؤس یا رقص گاہ میں شب بسر کرتے۔
اُن کے اس رشتے میں جنس کو بالکل دخل نہ تھا۔ رقص کرتے ہے یا پانے
کرے میں اکیلے بیٹھے ہوئے فرید کا کسی بھی جی نہ چاہا کہ وہ اُس کے ساتھ بالتوں کے علاوہ
اور کچھ بھی کرے۔ اور یقیناً جوں اُسے کرنے بھی دیتی۔ مگر اُس کی شکل پہلے
روز کی نسبت ہرگز نہیں ہرثی تھی۔ یا رک شائر کی گاتے ایسی شکل کی جوں۔

ایک روز فرید حسبِ محفل کافی بار میں اپنے پسندیدہ کونے میں بیٹھا شیشے کی
کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا کہ ایک مشرقی خدوخال کا حامل نوجوان کافی بار میں داخل
ہوا۔ اُس نے ادھر اور صریغہ دوڑا تھی اور پھر فرید کے برابر میں آ کر بیٹھ گیا۔ وہ یقیناً
دلاست میں نوار د تھا۔ اُس کا ثبوت وہ آرڈر تھا جو اُس نے اٹکتے ہو دیڑس کو
دیا۔ ایک پایلی چاٹے اور ہین سینڈ وچ۔ اُس نے مرعنی کا ترجمہ چکن کی
بجائے ہین کیا تھا۔

یو اپریکٹنی ہیں جی؟ اس نے فرید سے مخاطب ہو کر نہایت تکلف

سے کہا۔

”بھی ہاں“ فرید نے لائقی سے جواب دیا۔

”یاد مری زبان میں گرہیں پڑ گئی ہیں انگریزی بول بول کے یا اس نے نہایت تکلف سے کہا۔“ ایک ہفتہ ہرگیا ہے گوں تکمک میں آئے ہوئے۔ اپ کا ایک شریف۔

فرید نے اپنا مختصر تعارف کر دیا۔ زوار پاکستانی جس کا نام ناصر تھا۔ اپنی چاٹتے کی پیال ختم کرنے سے پہلی بھی اتنی بے تکلفی پڑتا آیا تھا کہ وہ بار بار تعلق رکھتا اور بات بے بات پر فرید سے باختلاف تھا۔ وہ پاکستان میں سکول ٹیچر تھا اور اب اپنا آبائی مکان بیچ کر انگلینڈ چلا آیا تھا۔ انگریزوں کو چونکہ اس کی تدریسی صلاحیتوں پر اعتماد نہ تھا اس لیے اسے فی الحال ایک سوور میں کھڑکیاں چمکاتے کی تو کری دی گئی تھی۔ دوسرے دن وہ بن بلاستے فرید کے کرے میں آدمکا اور فرید کی اتار کی پکائی ہوئی دال جو پرسے ہفتے کے لیے کافی تھی۔ ایک ہی شست میں چٹکارے لیتا ہوا کھاگی۔ اس قصبے میں چونکہ خلافِ معول پاکستانیں کی تعداد تقریباً نہ ہرنے کے برابر تھی اس لیے فرید اس کی بے جا بے تکلفی کے باوجود اس کا دوست بن گیا۔

ایک روز وہ نہایت عمدہ سوت میں کافی بار میں داخل ہوا۔ اس کے باقاعدہ چاکلیٹ کا ایک بڑا ٹوبہ تھا۔

”لڑکیاں کیاں ہیں؟“ اس نے آتے ہی فرید سے نہایت سمجھی گئے پوچھا۔

”کون سی لڑکیاں ناصر؟“

”مخفی وہی جھپیں چاکلیٹ افرکر کے چنسا لیا جاتا ہے۔ اپنے ایک دلایت پلٹ دوست نے یہ نسخہ بتایا تھا۔“ اس نے نہایت نشے سے اعلان کیا۔

فرید اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکا۔ ولایت پٹ دوست نے یقیناً اسے بتایا ہے کہ اگر کسی دعوت میں لڑکی سے راہ و سرکم پڑھانی مقصود ہو تو گفتگو کے آغاز کے لیے اُسے چاکلیٹ یا میز پر پڑی گئی خراک آفر کی جاتی ہے۔ صورت حال کا علم ہونے پر ناصر بجد مارس ہوا۔ ”میں نے تردد پنڈکی رقم اس سمسارے ڈبلے پر کبریاں کر دی ہے۔“ اُسی لمحے جوئی کافی بار میں داخل ہوتی اور ادھر ادھر نگاہ دوڑا کر فریض کے پاس آہٹی۔ ناصر کا تعارف بھی ہوا۔

اس شب جب وہ دلوں گھروٹ رہے تھے تو ناصر نے پوچا۔

”یا رفریدیہ جوئی مختاری گھل فریش ہے؟“

”نهیں۔ بس تھوڑی بہت واقفیت ہے۔“

”تو یا رپھر میرا کام بنا دو۔“ ناصر نے فوراً گھر سے ہو کر اس کے شانے پکڑ لیے۔ ”خدا کے لیے مجھے گل فریش بنا نے کا بڑا شوق ہے۔“ فرید سوچ میں پڑ گیا۔ جوئی کی بد صورتی اپنی جگہ پر لیکن وہ اچھی لڑکی تھی۔ شاید اسے بھی اچھی لگتی تھی۔ گرہنیں یار کشاور کی کامائے تو بہ۔!

”ٹھیک ہے۔ کل صرف تم کافی بار چل جانا۔“ میں نہیں جاؤں گا۔“ اس نے ہوئے سے کہا۔

تیرے روز جوئی کا دن آیا۔ فریضی۔ مجھے انہوں ہے تم زکام کی وجہ سے کل کافی بار نہیں آسکے۔ مجھے مختارے دوست ناصر نے بتایا تھا۔ اور سڑ فریضی دہ ناصر مجھے بار بار رویت کے لیے پوچھ رہا ہے۔ صح سے تین فن آچکے ہیں۔“

”مپھر میں کیا کروں؟“

”کیا میں اس کے ساتھ باہر جلپی جاؤں؟“

”کیوں نہیں۔ اگر تھیں دہ پند ہے تو۔“

”بچھے کیا اعتراف ہو سکتا ہے؟“

”شور؟“

”ماں تو میں شور“

اس کے بعد ناصر نے جوں کو چھٹنے کے لیے کریش پروگرام شروع کر دیا۔ سنینا، کافی ہاؤس، دعویٰ میں — نخنے — غرضیکہ پرواشو..... تین ہفتے کے بعد فرید کو جوں نے فون پر بتایا کہ ناصر نے اُسے شادی کے لیے کہا ہے۔

”مبارک“ فرید نے عجیب سی بے چینی حسرس کرتے ہوئے کہا۔

”ماں بھی نہیں فریڈی“ ”جوں کہہ رہی تھی“ ”میں تھاری رائے

لینا چاہتی ہوں“

”کیوں نہیں — اگر تھیں وہ پسند ہے تو“

”فریڈی“ ”جوں نے بے حد آہستہ سے کہا“ ”آخر قاتم اتنے سرو مزاج کیوں ہو“ ”ناصر تھارا دوست ہے“ اور تم میرے کیا قسم مجھے پر فیصلہ کرنے میں مدد نہیں ہو سکتے۔“

”ایہ تھارا ذاتی معاملہ ہے۔ میں تم دونوں“ ”وہ سری جانب سے گلک کی آواز آئی اور فون بند ہو گیا۔

”سپرتوں گاٹے“ ”فرید نے صندنک کر کہا اور لبستر پر لیٹ گیا۔

سافتے کے روز وہ دریتک کافی بار میں بیٹھا رہا مگر جس پہ ساتھ جوں نہ آئی۔ ناصر بھی غائب تھا۔ اس سے الگ ہفتے بھی الیا ہی ہوا۔

تکے پرواہ ہے ”تیرے سافتے فرید نے کافی بار سے نسلتے ہوئے اپنے آپ سے کہا“ ”ناصر کا بچہ اور وہ گاٹے شاید ابھی سے ہنی مون منارے ہیں“

ایک نہ میکٹری سے والپی پر فرید کی بن طریث پر اُتر گیا جہاں ناصر تھا تھا۔ ”وہ تھیت کا بچہ“ بڑھی لینڈ لیڈی ناک چڑھا کر لوٹی ”دو سافتے کا

کرایہ بھی نہیں دیا اور جاگ گیا یہ پاکستانی ——!

فرید کی زندگی پھر اسی سماں تک ڈگر پر گزرنے لگی۔ نیکٹری —— محر — کافی بار فیکٹری — اذیت وہ موسیٰ سر ماہی کے آخر تک انسانی جسموں کو شہنشاہ رکارہا — موسم گرم میں بھی بالائیشیں ہوتی رہیں اور ایک مرتبہ پھر سردی اپنے خشک پنج ننگے کیےے وارد ہو گئی۔
فرید کافی بار میں بیٹھا انتہائی سبجدگی سے دلن والپن جانے کے بارے میں ہوچ رہا تھا۔

«ہیلو فریڈی! اس نے سراًٹھا کر دیکھا — جوں لختی گاۓ کے گوشت کی سرخی اب زردی میں بدل چکی تھی اورہ انتہائی محض و درد کھائی دے رہی تھی۔
”اگر قم مائندہ کرو تو بیٹھ جاؤں“
”ہاں ہاں کیوں نہیں“ فرید نے گر جوشی سے کہا۔
بالکل عین متوقون طور پر جوں کی آمد — فرید کے لیے انتہائی مستر انگر تھی — بہت عرصے کے بعد — فرید نے گھنا شروع کیا۔ زد ہاں بہت عرصے بعد جوں نے بے دھیانی سے کہا۔
”ناصر کہاں ہے؟“

ناصر — ”جوں نے چونک کر کہا — تمہارا دوست تھا یہ میں معلوم ہونا چاہیئے“

یہ آج نے ایک بس پہلے والی جوں نہ تھی — بلے وقوف اور بُدھو قسم کی لڑکی — اس کی باتوں میں ٹھہرا دُ تھا — اعتماد تھا — اور ادا سی تھی۔ اور پھر جیرت انگریز طور پر دہ بالکل بد صورت نہیں لگ رہی تھی۔ بلکہ اس کے چہرے پر ایک خاص قسم کی کشش تھی۔
”بہت عرصے کے بعد —“ فرید نے ایک طویل خاموشی کے بعد پھر نشتر کا

آنگاڑ کرنا چاہا۔

”اہ۔۔۔ ایک طویل عرصے کے بعد۔۔۔“ جوں نے فریب کی جانب دیکھا اور مسکرا دی۔۔۔ میں صرف تھیں اپناد دست سمجھتی ہوں اور میں اپنے دوست سے کچھ بھی چھپانا نہیں چاہتی۔۔۔ کچھ بھی ۔۔۔ جوں نے اُسے بتایا کہ ناصر نے اس کے ساتھ شادی کا وعدہ کیا۔۔۔ لیکن کی انگوٹھی بھی پہنادی۔۔۔ اس انگوٹھی کی ڈھال کے نیچے ناصر کا بستر تھا اور اس انگوٹھی پر اعتماد کرتے ہوئے جوں اس بستر پر جالیٹی۔۔۔ دو ماہ تک جب تخلیقی حون کے چشمے شکل بنتے ناصر شادی کے لیے اپنے دوستوں کو لندن سے بلانے کے بہانے گیا اور چلا گیا۔۔۔ جوں کے سوتیلے باپ کو جب صورتِ حال کا علم ہوا تو اُس نے اُسے گھر سے نکال دیا۔۔۔ ایک چیراقی ہسپتال میں جوں نے ناصر کے بچے کو جنم دیا اور جو کوک جوں بین بیا ہی ہونے کے علاوہ ابھی زیر تعلیم تھی اس لیے سرشل دیل فیر ایجھی نے بچے کو اپنی تحویل میں لے لیا۔۔۔

”فریبی۔۔۔ میرا ڈیلوڈ بے مد پیارا تھا جوں کہہ رہی تھی۔۔۔ بے حد“ فریب اپنے آپ کو مجرم محسوس کر رہا تھا۔۔۔ اُسے چاہیئے تھا کہ وہ جوں جیسی بھولی بھالی لڑکی کی دیکھ بھال کرتا لیکن اُس نے تو جان بوجہ کر اس بد صورت بوجہ کو ناصر پر لاد دیا تھا۔۔۔ لیکن جوں اب تو بد صورت ہے تھی۔۔۔ یا شاید فریب نے اُس کے اندر بچے ہوئے سچے مذہبات کے سند رکی آواز سن لی تھی۔۔۔ شاید اُسے اس لڑکی کو دیکھنے کی عادت ہو گئی تھی۔۔۔

”جوں۔۔۔“ فریب نے اُس کے گندھوں پر ہاتھ رکھ کر انتہائی پیاس سے پوچھا۔۔۔ تم اپنے بچے کو ڈیلوڈ کو اپنے پاس کیوں نہیں رکھتیں۔۔۔ تم آسانی سے کسی دفتر میں ٹائپسٹ ہو سکتی ہو۔۔۔“

میں نے ان کی بہت منت سماجت کی کردہ مجھے ڈیلوڈ کو اپنے پاس رکھنے دیں۔۔۔ بوجسرشل دیل فیر انہیں نے کہا کہ بچہ صرف اس صورت میں مجھے دیا جا سکتا

ہے اگر اس کا باب مجھ سے شادی کر لے پر ابلیز ۔ ”چیکی مسکراہست تکے جوں کے ہونٹ ہے تم بتاؤ زندگی کیسی ہے“
”زندگی“ فرید جیسے بھی خواب سے دیا رہوا ہو پتہ نہیں
بس ٹھیک ہے جوں“ اس نے یک دم اتنی بلند آواز سے کہا، کہ
اس پاس بیٹھے لوگ ان کی جانب متوجہ ہو گئے ”جوں“ اس نے
سرگوشی کی ”میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں“

پیغمبر اپ دلوں اندر تشریف لے آئیے“ سرش و ملیغیراً فیرنے اپنے
وفتر کا ورد ازہ کھول کر سنبھالتے سمجھدی گی سے اجھیں اندر آئے کو کہا۔
”جوں ڈار لگک“ اس نے کھڑے ہو کر جوں سے کہا اور جوں اپنی سمجھ
کی دنیا سے باہر آگئی۔

”میں اپ کے لیے کیا کر سکتا ہوں“ افیرنے اپنی نشست پر جمعہ کر
مسکراتے ہوئے دریافت کیا فرید نے اُسے بتایا کہ وہ دلوں ڈیلوں کے والدین
ہیں، اب شادی کر چکے ہیں اور اپنے بچوں کو لینے آئے ہیں۔

”ڈیلوں“ افیرنے سرچتے ہوئے کہا ”میں دیکھتا ہوں“
اس نے دراز میں سے ایک فائل نکال کر درق گروہ انی شروع کر دی۔ جوں کی
اجھیں فائل کے پھر پھر اتے صفحوں پر یوں لگی تھیں جیسے ان سب پر ڈیلوں کی تصریح
ہو۔

”زندگی“ افیرنے اتحہ پھیلا کر فائل بند کر دی ۔ ڈیلوں کو آج صحی ہی ایک
شادی شدہ جوڑے کے عالیے کر دیا گیا ہے۔ اب وہ تازی طور پر ان
کا بیٹا ہے۔ آئی ایم سوری“

کوٹ مراد

ایک زنجیر لانی ہگئی۔

”کھاؤں یہ تمہارے پاؤں میں ڈال دیں؟“
”میں کوئی جیزوتے نہیں۔“

”نہیں نہیں۔ تم انسان ہی ہو جاؤ تو نہیں لیکن۔“

منور خاں ٹھیکیار کہتا ہے۔ ”میں نے کھاؤں کو پہلی مرتبہ چھ ماہ پیشہ دیکھا تھا۔ میری بیٹنگ سائٹ پر کام کرنے والے دو راج عید گذار نے اپنے گاؤں کوٹ مراد گئے تو واپسی پر دو مردوں ان کے ہمراہ بخستے۔ ٹھیکیار صاحب یہ اپنے گاؤں کے لڑکے ہیں۔ وہاں ناکارہ پھرتے تھے ہم انہیں ساتھ لے آئے ہیں مضمون طبیعت کے ہیں جاؤ روں کی طرح کام کریں گے۔ مزود دی بھی جو دیں گے جب دیگر راضی خوشی لے لیں گے۔ مجھے کیا آخر ہے ہو سکتا تھا۔“ ایک تو جفری تھا، چھٹکارا، جب صاف سخن پر کہا۔

پہنچتا تو بالکل شہر پا لگتا اور دوسرے کا نام کھانوں مختا...۔ کالا شاہ دراج آئے
کالا شاہ کا کو کہتے جیسے کوئی پیس کر لیپ کیا گیا ہو جسٹے مردا اور بے دھبا
لیکن گن برم کی بھروسی ہوئی بوری کی طرح سخت اور پیدا۔ بال و کھانی ہی نہیں وہی
مختے۔ پرہ نہیں کیسے مختے، البتہ آنکھیں صین میں پھر کیاں تھیں جو گھومتی رہتیں۔
میں نے اس کا پورا نام پوچھا تو کہنے لگا ”چوہدری خان محمد“ میں ایک لمحے
کے لئے ٹھٹھکا اس لئے نہیں کہ وہ عام مردوں کی طرح بخیر، سلی یا سادو
نہیں مختا بلکہ چوہدری خان محمد مختا بلکہ یہ اس کی آواز مختی جو اس کے جثے
کے سیاہ کنوں میں سے ایک بوڑھے میٹاک کی طرح گھان گھان کرتی برآمد ہوئی
مختی۔ آئندہ دنوں میں جب بھی اس سے کچھ پوچھتا تو سچے اپنے آپ کو اس کی ٹھٹھی
ہوئی مردہ آواز کے لئے ذہنی طور پر تیار کر لیتا اور میں بھی تیار ہو پاتا اس کا نہ
کھلتا اور میں سچے لفظ کی گھان پر ہمیشہ قدرے ٹھٹھک جاتا۔۔۔۔۔ اس کے
چلنے پھرنے کا انداز بھی کچھ عجیب ساختا یا مجھے نظر آتا مختا۔ وہ یوں قدم اٹھاتا
جیسے اس کے پاؤں میں چیز کے پاث پروئے ہوئے ہوں۔ یا قدم اٹھاتے ہوئے
اس کا سارا وزن اس ایک پاؤں میں منتقل ہو گیا ہو۔ اس کے بانڈ بھی کسری درجے
بس کا لے گوخت کے لھٹکے مختے انہیں وہ پہلوں میں لٹکا کر نہیں چلتا مختا
بلکہ پیٹ کے آگے سمجھیلیاں کھولے رکھتا جیسے کچھ اٹھا رکھا ہو۔

ایک روز وہ کام پر آیا۔

میں اسے دیکھنے کی خاطر مردوں کے لئے بنے ہوئے چھپر میں گیا تو اس
کی ہائے ہائے سے پورا چھپر گونج رہا مختا۔

”کیا ہوا کھانوں؟“

”جی کس چڑھ گئی اے ۔۔۔۔۔ ہائے“

”کچھ دوا والوں کیا؟“

”ہیں جی ۔۔۔۔۔ ہائے“ میرا خیال ہے کہ زیارتی میں دوائی دعیرہ کا استھا۔۔۔۔۔

اس کے لئے کچھ ناقابل فہم تھا۔

”زیادہ تکلیف ہے جو اتنی بلند آواز میں ہائے ہائے کر دے ہو؟“

”تکلیف تے نیں جی — ہائے ہائے کون نال کس گھٹ ہو جاندی اجی“
وہ سرے روز اس کا بخوار واقعی اترجمہ کا تھا۔

”اب کیا حال ہے کھاؤں؟“

”جی باہر ہی کس تے اُتر گئی اے، اندر وی ہے؟“

”پس؟“ اب یہ میرے لئے کچھ ناقابل فہم تھا کہ باہر کا بخوار اُتر گیا ہے اور
اندر کا باقی ہے۔

تیسرا روز حسبِ معمول وہ پسے بوچل قدم اٹھا اٹھا کر بلڈنگ سائٹ پر کام
کر رہا تھا پھر کوچھ ڈیاں مخفیں وہ میرے ساتھ ہی بلڈنگ سائٹ پر آگئے اور
حسبِ معمول ریت کے گھردندے بنانے میں مگن ہو گئے، پھر انہوں نے کھاؤں کو
دیکھ لیا۔ پہلے تو وہ ایک محفوظ فاصلے پر کھڑے ہو کر اسے بخورد سیکھتے رہے جیسے بلی
کا بچکی میڈل کے ساتھ کھیلنے سے قبل اس کا لفظی مشاہدہ کرتا ہے کہ یہ کیا ہے
اور پھر اس نتھے پر پہنچ کر کیا ہو گشت کا یہ تو وہ بالکل بنے ضرر ہے وہ اس کے پیچے
پہنچے چلتے لگے۔ کھاؤں اپنا دا بڑہ اٹھائے جو صریح تاثر اس کے دائیں بائیں
ہو، ہو کر اس کا چہرہ دیکھتے اور اس کی بن مالنوں ایسی چال سے لطف انزوڑ ہوتے۔
وہ پیر کے وقت جب کھاؤں نے اپنے ہاتھ کی پکائی، ہونی چکی کے پاٹ اتنی پاچھے
روٹیوں کو چار چار حصوں میں تقسیم کر کے فی الفوز بٹکل لیا تو ان کی مسترت ہو چکی،
..... وہ ہر لکڑا بڑی جہارت سے تھہ کرتا اور لپیٹ لیاٹ کے منڈے کے اندر گھیر
لیتا اس کے جڑے ہلتے اور وہ ایک ڈکار نما آواز بلند کر کے اسے پیٹ کی طرف
وکھلیں دیتا پھر زیوں کی طرف دیکھ کر مسکراتا اور گھاں گھاں کرنے ہوئے سر
ہلانا کر بست مزا آیا ہے۔ اگلے روز پھر کوئی نے پھر بلڈنگ سائٹ پر چلنے کی ہند
کی مگر میں نے اسکا کر دیا۔ ایک تو ان کی وجہ سے میرے کام میں ہر ج ہوتا تھا۔

اور دوسرے یہ کہ وہ کل سے کھانوں کی طرح چلنے اور کھانے کی مشق میں معروف ہو گئے اور یہ صورت حال قابل فتح طور پر میرے لئے قابل قبول نہ تھی۔

ایک روز پھر وہ کام پر نہ آیا..... میں نے اس کے بعد کھانوں کو پھر کبھی نہیں دیکھا۔ منور خال ملکیکی درست کہتا تھا کیونکہ کھانوں کی زندگی کا ایک باب اختتام ہمپہر ہو چکا تھا۔

کھانوں واقعی گاؤں میں ناکارہ پھرنا تھا۔ اس قسم کے کھانوں کا خاندان نہیں نظر دیکھنے ہوتا۔ وہ بس ہوتے ہیں میٹی سے پیدا ہو کر میٹی ہو جاتے ہیں۔ اور کسی کو پرستہ بھی نہیں چلتا کہ کبھی کوئی کھانوں بھی ہوتا تھا۔ بہر حال ہمارے والا کھانوں گاؤں کے راج مسٹریوں کی ہمراہی سے شہر پہنچا اور مزدوری کرنے لگا۔ وہ فخر کے وقت انہوں بیٹھتا اور پستہ نہیں کون سی زبان میں نماز پڑھتا پھر سر جھکا کر قرآن پاک کھوتا اور اس کی عبارت پر اپنی مجددی انگلیاں پھیرنے لگتا۔ اسے یقین تھا کہ آئین صرف پڑھنے کیلئے کے لئے ہی نہیں ہیں بلکہ اس جیسے چھٹے ان پڑھو اگر ان پر صرف انگلیاں ہی پھرستے رہیں تو بھی کچھ نہ کچھ ثواب ہو جاتا ہے۔ — پھر وہ کام کا ج میں جوست جاتا اور شام کو دا بڑھ اور کہی کو زمین پر رکھنے والا وہ آخری مزدور ہوتا۔ وہ مذقِ حلال پر بھی یقین رکھتا تھا۔ — البتہ بھتے کے رو بھتی ہوئی وہ قریبی مسجد میں جا کر اتمہانی باوقار صاف سخنے اور تقدس کے چرسے والے نمازوں کی ٹھنڈوں میں لکھن کو بیٹھ جاتا اور اسے ہمیشہ خاصی جگہ مل جاتی کیونکہ اتنائی باوقار صاف سخنے اور تقدس کے چرسے والے نمازوں کراہت میں ریختے ریختے اس سے دور ہو جاتے۔

اُدھر چڑیاگھر کا افسر اعلیٰ بے حد پریشان تھا۔

چڑیاگھر کا افسر اعلیٰ اس لئے بے حد پریشان تھا کہ بھتے چار جمیون سے چڑیاگھر میں آئنے والوں کی تعداد میں پرتوش اضافہ ہو رہا تھا۔ — اور پرتوش اس لئے کر تعداد جب بڑھے تو بھوم بنتی ہے اور بھوم اکثر اوقات بے قابو ہو کر لنفرے کا لئے لگتا ہے اور مردہ باد کے نفرے کسی کو اچھے نہیں لگتے اور اس چڑیاگھر کا افسر اعلیٰ

پریشان تھا کہ اگر افسران بالا کو اس عوامی اجتماع کی خبر ہو گئی تو اس کی ملازمت خطرے میں پڑ جائے گی کیونکہ ان دونوں عوامی اجتماع صرف چڑیا گھروں میں ہی ملک ہو سکتے تھے۔ چنانچہ افسر اعلیٰ نے اپنے سے ادنیٰ تمام ملازمین کو بلا کر چڑیا گھر کی بیخ نہ مقبولیت کا سبب دریافت کیا لیکن وہ قہر بلب رہے کیونکہ ان دونوں قہر بلب رہتے کا بھی رواج تھا۔ بالآخر اس نے اپنے ایک با اعتماد کفر کو اس کام پر مامور کیا کہ وہ اس امر کا سراغ لگائے کہ جمیع کے روز لوگوں کی آمد میں اضافہ کیوں ہو جاتا ہے۔ با اعتماد کفر نے اگلے ہفتے روپرٹ پیش کی کہ جناب جمیع کے روز بھرم کا ایک بڑا جمع پچوں پر مشکل ہوتا ہے جو ایک کالے کھڑے نما شخص کھانوں کو دیکھنے آتا ہے۔

”اور یہ کھانوں کیا دیکھنے آتا ہے؟“

”وہ جانور دیکھتا ہے۔“

”تو پھر یہ بچے جانوروں کو کیوں نہیں دیکھتے؟“

”لوگ انسی جانوروں کو بار بار دیکھ کر اکتے چلے ہیں جناب۔ وہ تبدیلی کے خواہشمند ہیں۔ چنانچہ یہ جو کھانوں ہے اس کی حرکات اور چال ڈھال سے وہ بھمٹوڑا ہوتے ہیں اور ہر دقت اس کے پیچھے پیچھے چلتے رہتے ہیں۔“

افسر اعلیٰ نے اطمینان کا ایک گمراہ انس لیا۔ اگر پچوں کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے تو خطرے کی کوئی بات نہیں بچے جب بڑے ہو کر مردہ باد کرنے کے قابل ہوں گے تو پھر دیکھا جائے گا۔

افسر اعلیٰ جب دفتر سے باہر آیا تو سامنے سے کھانوں آرہا تھا۔ وہ ہر چہرے کے سامنے کھڑے ہو کر اس میں قید جانور کو پر اشتیاق نظرؤں سے دیکھا تھا اور اس کے پیچے پچوں کا ایک بھرم اسے پر اشتیاق نظرؤں سے دیکھا تھا۔

کھانوں ان دونوں سورخال ٹھیکیدار کی بلڈنگ سائٹ پر مزدوری کرتا تھا اور جسمے کے روز کراہت سے ریختے ہوئے انتہائی باوقار، صاف ستمھے اور تقدیر کے چہرے والے نازیوں کے ہمراہ نماز پڑھنے کے بعد یہ صاحب چڑیا گھر دیکھنے